خواجہ غلام فریدؒ کی شاعری: ایک جائزہ

عذرا وقار

خواجہ غلام فرید (۱۸۴۵ء-۱۹۰۱ء) سرائیکی کے آفاقی شاعر تھے۔ اُن کا کلام خاص و عام میں یکساں مقبول ہے۔ جہاں اُن کے کلام میں داخلی کیفیات موجود ہیں وہاں خارجیت کے عناصر بھی پوری کاملیت کے ساتھ اس میں جھلکتے ہیں۔ یہ وصف یکجا میسر ہونا خال خال شعراء کے حصے میں آتا ہے۔ بنیادی طور پر آپ کی شاعری ہجر و فراق کی شاعری ہے۔ بعض اکابر صوفیاء کی طرح آپ بھی خیال کرتے ہیں کہ تخلیق سے قبل جملہ حادث اشیاء ذات احدیت میں پنہاں تھیں۔ اس نہاں خانہ سے جدائی آپ کے افکار کا محور ہے۔ قطرہ کو جو قلق دریا سے جدائی کے سبب اور ذرے کو جو ملال صحرا سے علیحدگی کی بنیاد پر ہوتا ہے وہی دکھ آپ کی شاعری میں رواں دواں دکھائی دیتا ہے۔ اصل کی جانب مراجعت واحد آرزو بن کر سامنے آتی ہے۔ اس کیفیت میں کُل ہی کُل سوجھتا ہے جزو سے طبیعت بیزار ہو جاتی ہے۔ اس صورت حال سے گزرتے ہوئے جب داخلی رچاؤ ذات حقیقی سے جدائی کے سبب بے ساختہ اظہار میں ڈھلتا ہے تو کلام میں آمد کی شان پیدا ہوتی ہے۔

خواجہ فرید کی شاعری بالعموم عشق حقیقی کی واردات کے بیان پر مشتمل ہے۔ جن کافیوں میں بظاہر آپ مجاز کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آتے ہیں ان کا بغور جائزہ لینے سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ ان میں عشق کو ایک مطلق حقیقت کا مقام حاصل ہے جو اپنی ہیئت کے باوصف تمام موجودات کو باہم مربوط رکھتا ہے۔ خواجہ فرید کثیر اللسان ہیں۔ آپ کے ہاں موسیقیت اور لے کو بھی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ دکھ اور درد کی دیسی بھی اپنی لے ہوتی ہے۔ شاعری کے ساتھ مل کر یہ دو آتشہ بن جاتی ہے۔ اُنہوں نے کافی کی صنف کو اپنایا ہے جو لکھی ہی گائے جانے کیلئے جاتی ہے۔

اُن کی شاعری کا کینوس کائنات کے وسیع تر پس منظر میں پھیلے ہوئے ان گنت موضوعات کا منظر نامہ پیش کرتا ہے۔ زندگی کے معاملات اور معمولات کا کوئی زاویہ ایسا نہیں جو ان کی کافیوں میں موجود نہ ہو اس لیے کہ خواجہ فرید صوفی شاعر ہونے کے ساتھ ایک عوامی شاعر بھی ہیں اور اُن کے ہاں معنی کا ایک جہان آباد ہے۔ اس حوالے سے اُنہوں نے عشق و محبت کے تناظر میں جو علامتی اور استعاراتی نظمیں تخلیق کی ہیں ان کی اساس سرائیکی ثقافت پر ہے۔ زبان و بیان کی تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ اُن کے ہاں تصوف کی چاشنی بھی ہے اور خداوندی اور محبت محمدی ﷺ کے نغمے بھی ہیں۔ روہی کے رومان پرور اور دل آویز نظارے بھی ہیں اور عشقیہ داستانوں کے حوالے بھی۔ ہجر و فراق میں ڈوبی ہوئی تانیں بھی ہیں اور مسرتوں کے گلاب کھلاتی اڑانے

بھی۔ ریت اور روایت کے حوالے بھی ہیں اور علاقائی رسوم ورواج کے دوشالے بھی۔ وسیب کے تمدن کا سرمایہ بھی ہے اور معاشرتی اقدار کا خبرنامہ بھی۔ یوں خواجہ فرید نے خوشی وغم کے ملے جلے جذبات کی جو عکاسی کی ہے وہ دلوں کے تار چھیڑ دیتی ہے اور پڑھنے سننے والوں کو سرشار کر دیتی ہے۔ اُن کا کلام سندر رکھتا ہے اور ان کے اشعار لطفِ زبان کا اعلیٰ نمونہ میں ہیں۔ اکثر اوقات وہ محض زبان کے سحر سے کیفیات کا طلسم باندھ دیتے ہیں۔ قریب المعنی الفاظ کو وہ اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے معنوں میں جو باریک فرق ہیں وہ خود بخود نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔

خواجہ فرید کی شاعری میں تنوع موضوعات نہایت خوبی اور خوبصورتی سے قلمبند ہوئے ہیں۔ خواجہ فرید نے اپنے پیشرو صوفی شعراء کا گہرا مطالعہ کیا اور ان سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ فارسی اور اُردو کے شعراء کے علاوہ مقامی زبانوں کے جن شاعروں کا اثر ان کے کلام میں نظر آتا ہے ان میں سندھی کے شاہ عبداللطیف بھٹائی اور سچل سرمست، پنجابی کے بلھے شاہ اور شاہ حسین اور سرائیکی کے حیدر علی اور مولوی لطف علی بہت اہم ہیں۔ بایں ہمہ خواجہ صاحب کی اپنی شاعرانہ عظمت بہت بلند ہے۔ ان کی شاعرانہ شخصیت اس قدر جدت پسند اور جاندار تھی کہ اُنہوں نے خود اپنا ایک اسلوب پیدا کیا اور اسے اوج کمال تک پہنچایا۔

فنی لحاظ سے بھی خواجہ فرید کی شاعری کا مقام بہت بلند ہے۔ اُنہوں نے کافی کی صنف کو ایک نئی آن، نیا انداز اور اسلوب عطا کیا اور مضامین میں تسلسل پیدا کیا۔ چنانچہ اکثر کافیاں ایک مرکزی خیال کے مختلف پہلوؤں کے ادراک کا احاطہ کرتی نظر آتی ہیں۔ اُنہوں نے مثنوی گوئی کی قدیم روش سے ہٹ کر سرائیکی زبان کی شاعری میں وہ تمام موضوعات داخل کیے جو دیگر عالمی زبانوں کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہو سکتے ہیں۔ اس غرض کے لیے انہوں نے اپنی زبان کی مشہور صنف کو منتخب کیا جس میں ہندی گیت اور اُردو فارسی کی غزل، مثلث، اور مستزاد وغیرہ سب کی گنجائش تھی۔ خواجہ صاحب کی کافی میں ہندی گیتوں کی شرینی اور سوچ اور اُردو اور فارسی غزل کا تغزل اور فکری گہرائی کا امتزاج نظر آتا ہے۔ اُنہوں نے اُردو فارسی شاعری کی دیگر اصناف، مثلاً مثلث، مسدس، مستزاد، وغیرہ سے بھی حسب منشا استفادہ کیا۔

موسیقیت

چونکہ کافی شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جو لکھی ہی گانے کے لئے جاتی ہے چنانچہ ان کی شاعری میں موسیقیت کا عنصر سب سے نمایاں ہے۔ خواجہ صاحب برصغیر کی کلاسیکی موسیقی اور مقامی گیتوں کی لے اور آہنگ سے پوری طرح واقف تھے۔ ان کی کافیوں کو مختلف راگنیوں کے اصولوں پر لکھا گیا ہے۔ وہ معروف بحروں اور اوزان میں کلاسیکی اور مقامی کی مناسبت سے ردوبدل کر لیتے تھے۔ الفاظ کے انتخاب میں بھی یہی اصول کارفرما تھا۔ ان کا خاص قوال ان کی ہدایت کے مطابق کافیوں کو

موزوں دھنوں میں ڈھالتا تھا۔ بلاشبہ انہوں نے سرائیکی کافی کو اوج کمال تک پہنچایا۔ یہاں تک کہ ایک ہی بند میں مختلف بحروں کے اوزان وارکان کو ربط دیکر موسیقی کی نئی نئی دھنیں ایجاد کیں۔[۲] اُن کی یہ کافی ملاحظہ ہو۔

اساں کنوں دل چایو وے یار۔ جاپے کتھاں ونج لایو وے یار
یار ابردچل کیچ دا والی۔ کیتو حال کنوں بے حالی
پربت روہ رُلایو وے یار

سسی کی زبان میں ہجر کی کیفیت کو جس خوبصورت طریقے سے اُنہوں نے شعر میں ڈھالا ہے۔ اس کو گا کر سننے سے اس کی کیفیت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے جذبۂ عشق سے اُن کی شاعری میں تغزل کی چاشنی بھر دی ہے۔ وہ درد اور شوق سے فالیں نکالتے ہیں اور کبھی منتیں مانگتے نظر آتے ہیں کہ کسی طرح محبوب اُن کے پاس رہے وہ کہتے ہیں

واٹ نہاراں کانگ اڈاواں
پنڈت جوشی کے کن کھانواں
سو سو ہاراں فالاں پانواں
اوسی میڈا یار کڈاہیں

اور

خواجہ پیر دے ڈیساں چھنے
ایہے ڈیہنہ اتھاہیں بھنے
جنیدیاں سبھ دل کتیاں منے
وسم سدا گھر باراں

ساون کی چاندنی راتوں میں سہیلیاں صحرا میں اکٹھی کھیلتی ہیں مگر دکھوں بھری ہجر کی ماری کہتی ہے۔

چانڈریاں راتیں، سرہوں براتیں
سیاں کھیڈن گیاں
رت ساونی دی مینہ برسائیں
رل مل دھانوں پیاں

ماںگ بناون دھڑیاں گندھاون
میں سر ڈکھڑے باری دے

عشق کی واردات اُنہوں نے اس کافی میں دلفریب انداز میں بیان کی ہے۔

گھاٹے عشق دے گھاٹے جاتے میں
تاں بھی چُم سر اکھیاں چاتے میں
کھوٹا عینہ انوکھا ویری ہے
مومنہ دھوڑ مٹی سر کیری ہے
ڈکھاں سولاں دلڑی گھیری ہے
پلّو سول کپیتڑے پاتے میں
سنجی رات سنجی تڑ پھاندی ہے
تتی تول سُتیں اگ لاندی ہے
ڈکھی ڈسک ڈسک کرلاندی ہے
بُرے برہوں دے ساہ سنجاتے میں

جذبہ

اُن کے ہم عصر تذکرہ نگاروں رکن الدین نے مقابیس المجالس میں اور محمد انور شیراز فیروز کا گوہر شب چراغ میں بیان ہے کہ خواجہ صاحب فکر وسخن میں ارادی طور پر مشغول نہ ہوتے تھے۔ بلکہ اُن کو تحریک ہوتی تھی تو اشعار خود بخود موزوں ہوتے تھے۔ چنانچہ بیشتر کافیاں اُنہوں نے ایک ہی نشست میں لکھیں۔ بعدازاں ان میں ترمیم واضافے کی ضرورت محسوس نہ کی گئی۔ ان کی کافیوں میں جذبہ بے اختیار اور والہانہ خلوص جھلکتا دکھائی دیتا ہے۔یہی جذبہ ان کی ان کافیاں میں دکھائی دیتا ہے جب وہ حج کے لیے تشریف لے جارہے تھے۔

ایک کافی ملاحظہ ہو:

اج سانو لڑے مُکلایا سر بار ڈکھاں دا چایا
ایہہ قبلہ اقدس عالی ہر عیب کنوں ہے خالی

اِتھ عبد عبید سوالی جس جو منگیا جو پایا
واہ امن اللہ معظم واں حرم اللہ محرم
واہ بیت اللہ مکرم ہے رحمت دا سرمایہ

زبان

زبان کے لحاظ سے حضرت خواجہ فرید کا کلام سند کی حیثیت رکھتا ہے اوران کے اشعار لطف زبان کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ اکثر اوقات وہ محض زبان کے سحر سے کیفیات کا طلسم باندھ دیتے ہیں۔ قریب المعنی الفاظ کو وہ اس انداز سے استعمال کرتے ہیں کہ ان کے معنی کے باریک پہلو از خود نمایاں ہوتے چلے جاتے ہیں۔ تعداد کے لحاظ سے بھی ان کے کلام میں ٹھیٹھ سرائیکی کے زیادہ سے زیادہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ وہ خیالات کی نوعیت اور مضامین کی روح کو پیش نظر رکھتے ہوئے مختلف زبانوں کے الفاظ، استعارات، اصطلاحات اور تلمیحات کو بلا تکلف استعمال کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن، حدیث سے لے کر فارسی، ہندی، اردو، سندھی حتیٰ کہ سنسکرت ادبیات سے بھی انہوں نے استفادہ کیا ہے۔[۳] اس کے علاوہ اُنہوں نے سرائیکی کے علاوہ اردو، فارسی اور ہندی اور سندھی میں بھی شعر کہے۔ مندرجہ ذیل کافی میں الفاظ کا چناؤ ملاحظہ ہو۔

میں مٹھڑی ڈکھڑیں مُٹھڑیں ئے تیریں غم دی چٹڑی
دل لٹڑی سُولاں ماری
نہ ڈھڑم مٹھڑا کھنا گیا ساون صاف سُلکھنا
گئی موسم چتر بہار دی
نہ کھوج نہ کھوبھ اُٹھاں دے سبھ پربت پندھ تھلاں دے
دل رُل رُل رو رو ہاری

مناظر قدرت

منظر نگاری کے لحاظ سے خواجہ صاحب منفرد حیثیت رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنے علاقے کے اکثر مناظر کے بڑے دلآویز نقشے کھینچے ہیں اوران کو سامنے رکھ کر انسان روہی، محفل، باراورنخلستان کی زندگی کا مکمل عکس دیکھ سکتا ہے۔ برسات کے دنوں میں روئیدگی اور چرند پرند کی تصویریں کھنچی ملتی ہیں صحرائی اور دیہاتی زندگی کی ایسی تصویر شاعری میں بہت کم نظر آتی ہے۔ جیسے یہ کافی ہے

اُچڑے بٹڑے سکھ ساگر دے چڑھنا پوم پہاڑ تے
چو طرفوں ویہہ پانی آوے سوہنے صاف جھکاڑ تے

یا یہ کافی دیکھیں

پینگھاں دنون دیاں مچھلے ہیلے گوہڑے ساوے
بدلے دردوں رودن بجلی اکھ مارے مسکاوے
روہی رنگ رنگیلی چک کھپ ہار حمیلاں پاوے
بوٹے بوٹے گھنڈ سُہاگوں گیت پرم دے گاوے
کسیر بھنڑ چولی چونڑی دل دل مینہ پساوے
پورپ مار ڈکھن دے بادل کوئی آوے کوئی جاوے

خواجہ صاحب کے کلام میں چولستان، تھل اور روہی کی سرور آگیں زندگی کے مناظر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

عشق

خواجہ صاحب کی کچھ کافیوں میں مجازی رنگ دکھائی دیتا ہے۔ان میں عشق کو ایک مطلق حقیقت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔اس مضمون میں بھی عشق کائنات کے تمام معبودات میں جاری وساری دکھائی دیتا ہے۔ان کے قول کے مطابق یہ سب اشیاء کو مربوط رکھتا ہے۔خواجہ صاحب کے نزدیک عشق ہی واحد رہبر ہے۔یہ انسان کو دوسری ہر لگن سے بے نیاز کر دیتا ہے اور پائیدار اور حقیقی سکون قلب کا واحد ذریعہ ہے۔خواجہ صاحب کی شاعری میں راہ عشق کی صعوبتوں، اہل دنیا کی مخالفت، وصل کی تڑپ، فراق کے سوز اور درد کی لذت کو نہایت بلیغ اور دلگداز پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔عشق میں خلوص، وفا، استقلال، اور سخت کوشش کی کیفیات کو واضح کرنے کیلئے مقامی لوک کہانیوں کے کردار سسی پنوں، ہیر رانجھا، اور سوہنی مہینوال کو علامتوں کے طور پر پیش کیا ہے۔اسی طرح پنوں کے وطن کیچ اور رانجھے کے وطن ہزارہ کو منزل مراد اور محفل اور روہی کو راہ عشق کی صعوبتوں کی علامت گردانا ہے۔روہی کو خواجہ فرید کی شاعری میں بہت اہمیت حاصل ہے۔وہ یہاں کے پودوں، جڑی بوٹیوں، صحرائی پھولوں، برسات کے مناظر اور مقامی باشندوں کی مصروفیات کو اس محبت اور اشتیاق سے بیان کرتے ہیں کہ قاری ان کے خلوص کا قائل ہو جاتا ہے۔اُن کے عشق کے موضوع کے بارے میں کافیاں دیکھتے ہیں۔

وصال:

اج ویڑھا پیا بھاندا ہے
کوئی وصل سنیہڑا آندا ہے

ہجر:

اویڑا عشق پیا جھولی
لویراں ہے پُنی چولی

رانجھن کی علامت:

رانجھن، انگ لگایا، سبھ غیر دا وہم بھلایا

مہینوال کی علامت:

مہینوال منال نہ کیتم - چھڈ کلڑی نال نہ پیتم
بھر جام ڈکھاں دا پیتم - پیش آئی شیر خواری

پنوں کی علامت:

ساتھی پُنل چھڈ گیو پرے - جیں باجھ ہک پل نہ سرے

کرشن کی علامت:

بندرابن میں کھیلے ہوری - شام دوارے میرو لال
ادھر جدھر موں بنی باجے - چوراسی لکھ ساج آواجے
بھولی کایا مایا موڑی - سن کے گیان انوکھے خیال

روہی کی علامت:

روہی لگڑی ہے ساونی - ترت ولا ہوت مہاراں

اور

روہی وٹھڑی ٹوبھا تار وے - آمل توں سنیگا یار وے

اور

سنگھار:

سنگھار کریندی دا گذر گیا ڈینھ سارا
مساک ملیندی دا گزر گیا ڈینھ سارا

اور

سرخی ڈوہاگن کجلا ڈوہیلا
گل گیا فریدا جوبن نراسے

خواجہ صاحب نے عشقِ خدا میں خود کو عورت اور محبوبہ کے روپ میں پیش کیا جو اپنے محبوب کو لبھانے کے لئے سولہ سنگھار کرتی ہے۔ اور وہ پھر بھی محبوب کے لیے قابل قبول نہیں بن سکتی۔ وہ فراق میں تڑپتی ہے اور کہتی ہے

سارا چولا بوچھن گھانگھے - گئے زیور تریور لاہنگے
سرمانگھ مریندی سانگے - تھئی سرخی زہر دی گولی

خواجہ صاحب نے عشق ومحبت کی کیفیت پروری کا اظہار بڑے جذبات انگیز پیرائے میں کیا ہے اور درد عشق دوئی اور کثرت کی تمام فکری اور عملی امراض کا علاج بتایا ہے۔

درد فرید ہمیشہ ہووے - سارے پاپ دوئی دے دھووے

وہ فرماتے ہیں کہ عشق ایک ہی جست میں تمام فاصلے طے کر کے منزل مقصود تک پہنچا دیتا ہے

تھل مارو دا پینڈا سارا - تھیم ہک بلھانگ

یہی عشق کا جذبہ خواجہ صاحب کے مردِ قلندر کی تکمیل ذات کرتا ہے۔

غم:

خواجہ صاحب ترجمان غم بھی ہیں۔ عوام کی مفلوک الحالی اور پریشانی ہمیشہ اُن کے لیے تکلیف کا باعث رہی۔ چولستان میں عورتیں مردوں کے ساتھ مزدوری کر کے تھک جاتی ہیں اور ہاتھ پاؤں میں بل پڑ جاتے ہیں

تھک تھک ہٹ ہٹ ہارڑی
ہتھوئیں، پیرڑیں کڑول

فلسفہ:

خواجہ فرید ابن العربی کے پیروکار تھے اور فلسفہ وحدت الوجود ان کی کافیوں میں ایسے رچا بسا ہے کہ اس کو علیحدہ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ اُن کے مطابق صف حق تعالیٰ ہی وجود اصل ہے۔ جو تمام قیود و شرائط سے ماورا ہے اور تمام آثار کا مبداء و منشاء ہے کہ اس کے سوا کوئی موجود حقیقی نہیں۔ وہ واحد ہے اور اپنی وحدانیت میں تمام شروط سے آزاد ہے۔ حتیٰ کہ شرط اطلاق سے بھی، تمام قیود سے مطلق ہے، حتکہ قید اطلاق سے بھی۔ اسی طرح وہ ذات حسنِ حقیقی بھی ہے اور نور ازل بھی۔ واجب کے زمرے میں بھی وہی ذات موجود ہے اور دوسرے میں مادہ، ایک مرتبے میں جوہر اور دوسرے میں عرض، اصل حقیقت یہ ہے کہ معبود صرف اور صرف اُسی کی ذات ہے اور اُس کی ذات سے عبارت ہے۔ یہ کافی ملاحظہ ہو۔

اے حسن حقیقی نور ازل تینوں واجب تے امکان کہوں
تینوں خالق ذات قدیم کہوں تینوں حادث خلق جہان کہوں
تینوں مطلق محض وجود کہوں تینوں علمیہ اعیان کہوں
ارواح، نفوس، عقول کہوں اشباح عیان نہان کہو
تینوں عین حقیقت، ماہیت تینوں عرض، صفت تے شان کہوں
انواع کہوں، اوضاع کہوں اطوار کہوں اوزان کہوں

خدا کی تمام ذات وصفات سکھ کروہ کہتے ہیں

کر توبہ ترت فرید سدا - ہر شے نوں پر نقصان کہوں
اسے پاک الکھ بے عیب کہوں - اسے حق بے نام نشاں کہوں

یعنی اس کی شان، اسکی صفات ایسی ہیں کہ تحریر میں نہیں آسکیں کیونکہ الفاظ ان سب کا احاطہ نہیں کر سکتے۔

خواجہ فرید کی کافیوں پر ایک نظر ڈالنے سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ ایک عالمگیر اور آفاقی شاعر ہیں۔ انہوں نے موسیقی کو اپنی شاعری کی بنیاد بنایا اور یہ کوئی شعوری کوشش نہ تھی بلکہ موسیقی ان کے جسم و جاں میں رچی بسی ہوئی تھی جس میں روہی کے ریگستان کے ٹوبھے اور ون کے درخت، پیلو، اور ساون کی خوبصورت راگنیاں قید تھیں۔ یہ ریگستان کی ثقافت تھی جس نے انہیں بے چین کر دیا تھا اور وہ وہاں گھومتے پھرتے اور ہر وقت اُن کی زبان سے قدرت کے حسن اور ذاتی واردات کا بیان ہوتا رہتا۔

ان کی زبان، فلسفہ، منظر نگاری، جذبہ، سب میں ذات واحد کا جلوہ دکھائی دیتا ہے۔ شاعری کی وہ تمام خوبیاں جو کسی عظیم شاعری میں ہوتی ہیں وہ ان کی شاعری میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ خواجہ فرید ایسے شاعر ہیں جنہیں کسی بھی زبان کے عظیم سے عظیم شاعر کے بلمقابل رکھا جاسکتا ہے۔ خواہ وہ انگریزی زبان کا ہو یا کسی اور مغربی زبان کا یا کوئی مشرق کا شاعر ہو خواجہ فرید کا قد کاٹ سب سے اونچا دکھائی دے گا۔ یہی ان کی شاعری کی عظمت کی دلیل ہے۔

حوالہ جات

۱- ڈاکٹر شمس الدین عرسانی۔ سندھی ادب، بحوالہ رجحانات، غلام ربانی اگرو و خالد اقبال یاسر (مرتب)، اسلام آباد، اکادمی ادبیات، پاکستان، ۱۹۸۴ء، ص ۹۱۔

۲- آفاق صدیقی، جدید سندھی افسانہ، حوالہ بالا، ص ۲۰۶۔

۳- ڈاکٹر غلام حیدر سندھی، سندھی زبان وادب کی تاریخ، اسلام آباد، مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۹ء، ص ۲۰۱۔

۴- ایضاً، ص ۲۰۲۔

۵- ایضاً، ص ص ۲۰۰، ۲۰۱۔

۶- دائرہ معارف اسلامیہ، ۱۱:۳۵۹۔

۷- محمد سعید احمد شیخ، جہانِ فرید، لاہور، بیکس بکس، ۲۰۰۳۔

نوٹ: تمام کافیاں مندرجہ ذیل کتاب سے لی گئی ہیں:

محمد آصف خان، آکھیا خواجہ فرید نے، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، ۱۹۹۴ء۔